ریاست میں اُردو کی ترویج اور کلچرل اکادمی کا رول

محمد یوسف ٹینگ
نامور مورخ، ادیب، محقق
رابطہ 9419761644

[محکمہ اعلیٰ تعلیم کے اس اردو جرنل کے لیے ریاست کے مستند و معروف محقق جناب محمد یوسف ٹینگ نے مدیر کی گزارش پر دو عدد مضامین میسر رکھے۔ایک فیض احمد فیضؔ اور کشمیر کے تعلق سے ہے اور دوسرا ریاستی کلچرل اکادمی اور اردو کے حوالے سے۔اس شمارے میں ریاست میں اردو کی ترویج و ترقی میں جموں و کشمیر کلچرل اکادمی کے رول پر موصوف کا ایک مدلّل پرچہ پیش کیا جارہا ہے۔ جناب محمد یوسف ٹینگ نے عرصۂ دراز تک اکادمی کی سربراہی کی ہے۔انہوں نے نہایت نزدیک سے اردو کے تئیں اکادمی کی کارگزاریوں کو نوٹس کیا ہے۔بل کہ اگر یہ کہیں تو بے جانہ ہوگا کہ ریاست میں اردو کی ترقی کے حوالے سے اکادمی کے اردو شعبے نے جو گراں قدر خدمات پیش کی ہیں ان کے پسِ پشت جناب ٹینگ صاحب کی موجودگی ہی ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔سو ریاست کے اردو منظر نامے میں اس معتبر ادارے کے رول کے بارے میں ان سے بہتر شاید ہی کوئی شخص خامہ فرسائی کرسکتا۔]

جب ۱۹۵۸ء میں ریاستی آئین کے نفاذ کے بعد کلچرل اکادمی کا وجود عمل میں لایا گیا تو اُس وقت یہاں اُردو کا آفتاب اگرچہ نصف النہار پر نہیں تھا لیکن پھر بھی بہت تاباں اور روشن تھا۔اُس وقت ابھی اکادمی کا اپنا آئین نہیں بنا تھا لیکن یہ سچے معنوں میں ریاست کے ساتھ ساتھ اکادمی کی بھی سرکاری زبان تھی۔ اِس کے پہلے دو قابلِ ذکر معتمد مرزا کمال الدین شیداؔ اور سید علی جواد زیدیؔ اردو کے ہی سخنور اور سخن پیرا تھے اور میرا یقین ہے کہ اُن کی یہی اُردو زبان اُن کے اکادمی کا معتمد بننے کی وجہ بنی۔ مجھے اکادمی کی وِلادت کی وہ تقریب یاد ہے جب پرتاپ پارک، ریذیڈنسی روڈ کے جنوبی کنارے کی ایک عمارت میں اس کا جشنِ پیدائش منایا گیا۔اس تقریب میں اکادمی کے پہلے صدر بخشی غلام محمد بھی موجود تھے۔سیکرٹری کمال الدین شیدا بھی اور چند اردو سخن ور مثلاً کمال احمد صدیقی، پروفیسر شکیل الرحمن، غلام رسول نازکی، شمیم احمد شمیمؔ اور چند دوسرے اصحاب علم و دانش قابلِ ذکر ہیں۔ساری کارروائی اور تقریریں اردو میں ہوئیں اور ایسا لگا جیسے ہم دریا گنج لکھنو کے کسی مشاعرے میں شمولیت کررہے ہیں۔

اکادمی کی پہلی مطبوعات جو کشمیری شعراء وغیرہ کے متعلق کتابچوں کی صورت میں سامنے آئیں، وہ ساری اردو میں تھیں۔ مقبولؔ کرالہ واری پر حامدیؔ کاشمیری، عبدالاحد نادمؔ پر غلام رسولؔ نازکی، شمسؔ فقیر پر شمس الدین احمد، حبہ خاتون پر امین کامل اور رسول میرؔ پر خاکسار نے کتابچے تحریر کئے۔ اِس کے علاوہ بھی ایسے بہت پمفلٹ سامنے آئے جن کا ذکر تفصیل طلب ہے۔اکادمی

نے میری کم ہوتی ہوئی یادداشت کے مطابق اپنی سب سے پہلی بڑی کتاب کے لئے عبدالاحد آزادؔ مرحوم کی تاریخ ادبیات کشمیر کا انتخاب کیا۔ اس کا قلمی مسودہ آنجہانی پدم ناتھ گنجو کی تحویل سے قیمتاً خرید کرلایا گیا۔ اِس کی ترتیب کیلئے امین کاملؔ مرحوم کو اکادمی میں ہی تعینات کیا گیا تھا۔ اِس کی پہلی جلد اُنہوں نے کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے پروفیسر شکیل الرحمان کے ساتھ مل جل کر سنبھالی سنواری اور شائع کی۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی دو اور جلدوں کے لئے مجھ جیسے دور افتادہ دیہاتی پر کیسے نظر پڑی کہ میں اُن دنوں اپنے زادبھوم شوپیان میں مقیم تھا۔ مجھے وہاں سے بلایا گیا اور ان کی ترتیب کی ذمہ داری دی گئی۔ اس طرح سے یہ بڑی کتاب، جو واقعتاً کشمیری شعری ادب سے متعلق تھی، اردو میں شائع ہوئی اور آج تک اپنے کشمیری روپ کیلئے تڑپ رہی ہے۔ چونکہ کشمیر کی ادبیات کا سلسلہ ایک وسیع تر اصطلاح تھی، اس لئے راقم نے اِس کا نام تبدیل کر کے اسے ''کشمیری زبان اور شاعری'' کے عنوان کے تحت شائع کرنے کی تجویز کی کہ اس میں کشمیری زبان کے متعلق کچھ ابتدائی قسم کے مباحث اور کشمیری شاعروں کا کسی حد تک نامکمل تذکرہ ہے۔ لیکن اکادمی نے اُس کے بعد اردو کے دریا میں اپنا سفینہ ڈال دیا اور اس میں بہتی چلی گئی۔ اِس کا پہلا ترجمان ''شیرازہ'' جنوری ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا یعنی اب اس کی عمر چھپن برس ہو چکی ہے اور یہ برصغیر کے سب سے پرانے زندہ جریدوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ میری ناقص معلومات کے مطابق ہندوستان میں اعظم گڈھ سے شائع ہونے والے ''معارف'' کے بعد یہ سب سے بزرگ اردو رسالہ ہے۔ اس نے اپنے لمبے سفر میں بہت اُتار چڑھاؤ دیکھے۔ لیکن مجھے اس کے معیار کے متعلق آج سے تیس سال کے قریب رضا لاجیریری رام پور کے چیف اور اردو کے بہت اچھے ادیب مولانا امتیاز علی خان عرشی کے یہ الفاظ یاد آرہے ہیں۔ ''شیرازہ'' کو دیکھا تو جی چاہا کہ اسے شیرازہ کی بجائے شیراز کہوں۔ وہی سعدی اور حافظ کا شیراز۔ شیرازہ کے قلم کاروں میں جو اردو ادیب شامل رہے ہیں ان کا مختصر ذکر بھی کریں تو یہ مصرعہ یاد آتا ہے۔

ع ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

بس چند نام۔ پروفیسر آل احمد سرور، ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر محمد مجیب، ڈاکٹر محمد حسین، قاضی غلام محمد، رحمان راہیؔ، امین کاملؔ، ٹھاکر پونچھی، صاحبزادہ حسن شاہ، ظ۔ انصاری، آصف علی اصغر فیضی، نندلال طالبؔ، غلام ربانی تاباںؔ، رضیہ سجاد ظہیر، پریم ناتھ بزاز، راہی معصوم رضاؔ، نواب جعفر علی خان اثر، بلجی ناتھ پنڈت، نورشاہ، عبدالغنی شیخ لداخی، تیج بہادر بھان، مشعل سلطانپوری، جگن ناتھ آزادؔ، معین احسن جذبیؔ، عالم آخوند میری، پروفیسر محب الحسن وغیرہ۔ اس رسالے کے چند خاص شمارے مثلاً زورؔ نمبر، رسا جاودانیؔ نمبر، عجائبات نمبر، مغل اور کشمیر، حامدیؔ نمبر، کامگار نمبر، ثناء اللہ بٹ نمبر، میر غلام رسول نازکی نمبر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جموں کشمیر و لداخ نمبر کی ۱۱ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور اس کے لبوں پر اب بھی ہل من مزید کی گونج ہے۔ ایک بات کا ذکر شاید برمحل لگے کہ جب ۱۹۶۴ء میں ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کا انتقال ہوا تو سارے ملک میں نہرو پر خاص نمبروں کی جھڑی لگ گئی۔ اُن ہی دِنوں اکادمی کے سیکرٹری پروفیسر جیالال کول کا دلی جانا ہوا۔ کسی تقریب میں اُس وقت کے راشٹر پتی ڈاکٹر ذاکر حسین سے اُن کا آمنا سامنا ہوا۔ پروفیسر کول نے راقم کو واپسی پر خاص طور پر بلا کر کہا کہ چونکہ ہم دونوں اُستاد پیشے سے آئے تھے، اِس لئے انہوں نے

مجھے مصافحے کے بعد الگ لے کر کہا ''کول صاحب! مجھے درجنوں رسالوں کے نہرو نمبر ملے ہیں مگر ان میں آپ کے رسالے کا نہرو نمبر سب سے اچھا تھا۔'' جب کول صاحب نے یہ بات کہی تو اُن کی گردن تن گئی اور انہوں نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر رسالے کے مدیر کو اپنے سینے سے لگالیا۔

کلچرل اکادمی نے اُردو کی بڑی کتابیات میں شاندار اضافے کئے ہیں۔ وہ اِس بڑی زبان کے سدا بہار شاہکاروں میں گنے جاتے ہیں۔ پروفیسر اکبر حیدری نے نواب صاحب محمود آباد، لکھنو جیسے Biblophilia کے نادر کتاب خانے تک رسائی حاصل کر کے دیوان میر تقی میرؔ جیسی کتاب اکادمی سے شائع کروائی جو ''میریات'' کے بہت بڑے ذخیرے میں ایک مستند، معتبر اور حوالے کی دستاویز مانی جاتی ہے اور جس کو اکادمی کی اجازت کے بغیر لاہور کے نقوش والے مرحوم محمد طفیل نے اسی صورت میں وہاں سے شائع کر دیا۔ ڈاکٹر گیان چند جین کی تفہیمِ غالب کی اشاعت اکادمی کے دستار میں ایک ہیرے کی طرح چمکتی ہے۔ عبدالقادر سروری نے ''کشمیر میں اُردو'' کی تین جلدیں مرتب کیں اور اپنی روایتی عرق ریزی سے اِس کی تاریخ کے گمشدہ اوراق اور بھولے بسرے سخنوروں کو قرطاس کے لازوال صفحات پر سجا کر اُردو کے ساتھ ساتھ اُردو کے مقامی ادیبوں کی بھی نہایت اہم خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اکادمی کے اب تک کے پانچ ڈکشنری پروجیکٹوں میں اُردو کشمیری لغت کی اشاعت بھی شامل ہے جو ۱۲ موٹی جلدوں پر مشتمل ہے اور اکادمی کے اس سلسلے کا سب سے ضخیم کام ہے۔ کلچرل اکادمی نے آج سے لگ بھگ تیس سال قبل جموں میں آل انڈیا اردو کانفرنس منعقد کر کے اس کے کل ہند کردار کی نوبت زور سے بجائی۔ اس کانفرنس میں اس وقت کی اردو دنیا کے مشاہر کے ساتھ ہماری ریاست کے اردو ادیبوں کا اِنٹرایکشن ایسا نتیجہ خیز ثابت ہوا کہ ان میں سے بعض ہونہار اصحاب کے اُردو دنیا سے روابط قائم ہو گئے اور وہ اس کے بل بوتے اور اپنی لیاقت سے اُردو کے سکرین پر چمکنے دمکنے لگے۔

کلچرل اکادمی کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ اس نے موجودہ ہندوستان کی ساجیر سٹی یعنی حیدرآباد شہر کے بانی قلی قطب شاہ کی بھاگ متی نام کی دوشیزہ کے ساتھ داستانِ محبت ''پیا باج پیالہ'' کے عنوان سے ایک اوپیرا تیار کیا۔ اُسے ہندوستان کے بڑے شہروں مثلاً دلی، بمبئی، بنگلور کے ساتھ حیدرآباد میں بھی پیش کیا گیا۔ اوپیرا کو دیکھ کر اُس وقت کے راشٹر پتی نیلم سنجیوا ریڈی اور اُس وقت کے آندھرا کے وزیر اعلیٰ چنا ریڈی بھی شامل تھے۔ یہ اوپیرا حیدرآبادیوں کو اتنا لبھایا کہ دوسرے سال انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو گزارش کر کے اِس کو وہاں نظام گارڈنز میں کھلے عام کھیلنے کی غرض سے بلوایا اور اس کا سارا خرچہ برداشت کرلیا۔ اکادمی کا ایک اور اوپیرا اِس وقت کے دائیں بازو کے من بھاتے تختۂ مشق حضرت ٹیپو سلطان کے متعلق تھا۔ یہ دلی، بمبئی، مدراس، حیدرآباد اور ٹیپو کے دارالخلافہ سرنگا پٹنم میں بھی کھیلا گیا اور اس سے ٹیپو شناسی کا نیا دور شروع ہوا۔ بھگوان گڈوانی نے اس کے بعد اپنا ٹی وی سیریل "The Sword of Tipu Sultan" سنجے خان کی مدد سے بنوایا۔

اکادمی کی اردو نوازیوں میں خطاطی کے لطیف فن کی تجدید نو کو بھی جگہ ملنی چاہیئے۔ جب اکادمی بنی تو اُس وقت کشمیر کے اس روایتی فن کا سورج ڈوبنے کے قریب تھا۔ بس محمد حسین وفائی، پیر حسام الدین جیسے چند صاحبانِ کمال اپنے بڑھاپے میں قدم رکھ

چکے تھے۔اکادمی نے پیر حسام الدین کواپنالیا۔لیکن اُس وقت اردوصحافت کوبھی نئے کاتبوں کی احتیاج پڑگئی تھی۔لعل بازار کے غلام رسول صاحب اورسولنہ کے اُن کے دوسرے ہم نام، اور چند اور۔ اِن حالات میں اکادمی نے اپنا خطاطی کا مکتب قائم کیا جس میں پیر محمد افضل مخدومی اور محمد صدیق جیسے خوشنویسوں نے طلباء اور طالبات کوتربیت دیناشروع کردی۔ باہر سے عاصم امروہوی اور دوسرے اعلیٰ درجے کے خوش نویسوں کوبھی ایمریٹس اُستادوں کی حیثیت سے بلایا جاتا تھا۔جنہوں نے اپنا فرض بخوبی نبھایا۔ستم ظریفی سے جدید دور کی ٹیکنالوجی نے کمپیوٹر کا روبوٹ لاکر اِس ساری سعی کوسائڈ لائن کردیا۔لیکن میری ناقص معلومات کے مطابق یہ شعبہ اب بھی ختم نہیں ہوا۔

اُردو کوفروغ دینے کے لئے اکادمی نے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بارایک آل انڈیا خطاطی مقابلے کا اہتمام کیا۔اس میں اُردو کے عاشقوں نے سرینگر کے علاوہ جموں، دلی، بمبئی، لکھنو، حیدرآباد بلکہ کلکتہ تک سے اپنے نوشتے بھیجے اور چوٹی کے ماہرینِ فن نے اولاً نمائش میں رکھنے کے لئے نمونے چنے اور پھر تین سب سے عمدہ فن پاروں کیلئے انعامات کی تجویز کی۔ اِس سلسلے میں یہ بات بھی ضرور کہی جانی چاہیئے کہ اکادمی نے اردو وفارسی کے چیدہ چیدہ قدیم وجدید فن پاروں کواکٹھا کر کے ''شیریں قلم' کے نام سے کئی البم شائع کردئیے۔ یادرہے کہ جلال الدین اکبر کے بہترین خطاط محمد حسین کاشمیری تھے، جن کا لکھا ہوا ''اکبر نامہ'' کا نسخہ اِس وقت برٹش میوزیم میں ایک شاہکار کی حیثیت سے رکھا ہوا ہے۔

ریاست میں اردو کی ترویج وتہذیب کے لئے اکادمی کا سالانہ مجلہ ہمارا ادب' ایک مسلسل اور معیاری کارنامہ ہے جواکادمی کے آغاز سے جاری ہے۔یہ بھی ایک حوالے کی دستاویز بن چکا ہے۔

کلچرل اکادمی نے اردودنیا کے مشاہیر کی عزت افزائی کی ہے اورانہیں مقامی ادیبوں سے ملاقات کے لئے بلایا ہے۔ان میں عصمت چغتائی، ملکہ پکھراج، قرۃالعین حیدر، جیلانی بانو، شمس الرحمان فاروقی، گوپی چند نارنگ، پروفیسر علی محمد خسرو، فیض احمد فیض کی بیگم ایلیس، علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بشیر حسین زیدی، محمد دین تاثیر کی بیگم بلقیس، نامورشاعر شہریار، جسونت سنگھ، مولانا محمد سعید مسعودی، بلراج پوری صاحب وغیرہ شامل ہیں۔اکادمی کے ''بزمِ شیرازہ'' میں نوجوان اُردوادیبوں کو بلایا جاتارہا ہے اور میرے خیال میں اِس وقت ریاست کے بہت سے کشمیری لیکھک اِن محفلوں سے بھی بہرہ ورہوئے ہیں۔

اکادمی کی جن اردومطبوعات کاسلسلہ جاری ہے اُن کی گنتی بہت طویل ہے۔اکادمی کا پلیٹ فارم اردو کے مقامی اور بڑے ادیبوں کا مرکز بن گیا ہے۔ جہاں سے رفیق رازؔ، احمد شناسؔ، حامدی کاشمیری، اسیرؔ کشتواڑی، غلام نبی خیالؔ وغیرہ کی تصانیف ریلیز کی جاتی رہی ہیں اوراُن پر فکرانگیز مقالے پڑھے جاتے ہیں۔

اکادمی کی لاجیریری میں اچھی اردو کتابوں کے علاوہ اردوگراموفون ریکارڈوں کا بھی ایک بہت کم یاب خزانہ ہے جن میں پہلی کشمیری مغنیہ نورہ ساغر، محمود شہری، اُستاد بڑے غلام علی خان، استادفیاض خان، استاد محمد عبداللہ تبت بقال، استاد غلام محمد قالین باف، نور جہاں، بھیم سین جوشی، مہدی حسن، بیگم اختر وغیرہ کی میٹھی اور کیف آور صدائیں محفوظ ہیں۔

اُردو کی خدمت کے سلسلے میں اکادمی کے مستقل پروگرام حسبِ دستور جاری ہیں۔ سال کی بہترین اردو کتاب کو اب اکاون ہزار روپے کا ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ اُردو کے مصنفین اور مؤلفین کو اُن کی نجی کتابوں کیلئے ضابطہ بند طریقے سے مالی اعانت یعنی سبسڈی دی جاتی ہے۔ اُردو کی ترویج میں مصروف رضا کار تنظیموں کو سالانہ مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اگر ریاست کا کوئی سخن ور بڑھاپے یا دیگر وسائل کی عدم موجودگی سے پریشانی محسوس کرتا ہے تو اُسے کسی حد تک ماہانہ بنیاد پر امداد دی جاتی ہے۔ اگر چہ اس پر نظر ثانی کر کے ہیلتھ کیئر کی موجودہ مہنگائی کے پیشِ نظر اِس میں اضافے کی ضرورت دو چند ہو گئی ہے۔

اور آخر میں اس کے آل انڈیا اُردو مشاعرے کا ذکر جو ہر سال یوم آزادی کے بعد ۲۸ رجنوری کو منعقد ہوتا ہے۔ یہ اب ہندوستان میں سب سے پرانا اور مسلسل مشاعرہ ہے جس کی عمر پچاس سال سے تجاوز کر گئی ہے اور بذاتِ خود ایک برانڈ ہے۔ اِس مشاعرے میں فراقؔ گورکھپوری، جگرؔ مرادآبادی، میکشؔ اکبرآبادی، فرقتؔ کاکوروی، سکندر علی وجدؔ، گلزار زُتشی دہلوی، شہؔ زور کاشمیری، مبارک شاہ فطرتؔ، روشؔ صدیقی، سیفیؔ سوپوری، علی سردار جعفری، زبیر رضوی، فضا ابن فیضی، اختر علی تلہریؔ، تنہا نظامیؔ کانپوری اور جموں وکشمیر کے مقامی شعراء حصہ لے چکے ہیں اور اس مشاعرے میں شرکت اب ایک اعزاز بن چکا ہے۔

اکادمی نے قدیم خطاطی کے کچھ نمونے بھی جمع کئے تھے۔ خطاطی کا یہ شعبہ ۱۹۷۴ء میں قائم ہوا اور اس کی سربراہی کے لئے ریاست کے ایک ادیب اور صحافی پیر محمد افضل مخدومی کو مقرر کیا گیا۔ آپ کی تربیت سے کئی طالبانِ فن مستفید ہو کر اچھے خوشنویس ثابت ہوئے۔ تب سے خطاطی کا یہ شعبہ یعنی تربیتِ گاہِ خوشنویسی برابر کام کر رہا ہے اور محمد صدیق، محمد یوسف مسکین، نعیمہ جی وغیرہ اس میں طالبانِ فن کو تربیت دے چکے ہیں۔ اس سلسلے میں محمد اشرف ٹاک اپنے ایک مضمون میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

> ''۱۹۷۰ء کے بعد خطاطی کی کمزور ہوتی روایات کو نئی جلا بخشنے اور خوشنویس اور کاتبوں کی کمی پورا کرنے کے لئے سرکاری سطح پر پھر سے کوششوں کا آغاز کیا گیا۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں ریاستی کلچرل اکیڈیمی نے ٹیگور ہال سرینگر میں تعلیم گاہِ خوشنویسی قائم کی۔ کشمیر میں خطاطی اور کتابت کو از سرِ نو فروغ دینے میں یہ تربیت گاہ سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ستر کی دہائی میں کشمیر میں گنے چنے خطاط اور خوشنویس ہی نظر آتے تھے حتیٰ کہ مقامی پریس اور اخباروں کی ضروریات کے لئے جہاں مشکل سے کاتب دستیاب تھے، وہاں اس وقت تعلیم گاہ خوشنویسی سے فارغ الاصلاح لاتعداد خطاط، خوشنویس اور کاتب اپنے پیشہ ورانہ فرائض انجام دے رہے ہیں۔''[۱]

خطاطی کی تربیت کے ساتھ ساتھ اکیڈیمی ملکی سطح پر خطاطی کے مقابلوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں ملک کے سرکردہ خطاط شرکت کرتے ہیں۔ اکیڈیمی نے خطاطی کے قدیم نمونوں پر مشتمل ''شیرین قلم'' کے نام سے دو البم بھی شائع کئے ہیں۔۔ اکیڈیمی کی اُردو خدمات کا دائرۂ کار صرف یہیں تک محدود نہیں، اردو سے اس کے عشق کی کارفرمائیاں گوناگوں ہیں۔ اُردو کے اہم ادیبوں کو

یہاں ریاست میں مدعو کرنا، اُن کے ساتھ ادبی محفلوں کا انعقاد، کل ہند اُردو مشاعرے، اُردو کانفرنسیں منعقد کرنا، رائٹرس کیمپ لگانا، بلند پایہ اردو ادیبوں اور شاعروں کی یاد میں ادبی نشستیں، بزم شیرازہ اُردو وغیرہ اکادمی کی اہم اردو سرگرمیاں ہیں۔

ریاستی کلچرل اکیڈیمی اور اردو زبان کے تعلق سے اپنے مضمون میں شعبہ اُردو جموں سے وابستہ ایک قلمکار ڈاکٹر ضیاء الدین رقم طراز ہیں:

''کلچرل اکیڈیمی کا اہم کارنامہ وہ سمینار اور کانفرنسیں ہیں جن میں ریاستی شعراء و ادبا کے علاوہ اردو ادب کے نامور ادیبوں کو دعوت دی جاتی رہی۔ اب تک جن ادبی شخصیات کو بلایا گیا ہے ان میں اخترالایمان، کرشن چندر، شمس الرحمان فاروقی، جوگندر پال اور عصمت چغتائی قابل ذکر ہیں۔''۲؎

اکیڈیمی نے اب تک بہت سے سمینار منعقد کئے ہیں۔ اقبال صدی تقریبات کے دوران علامہ اقبالؔ کے فن اور فلسفہ پر دو سمینار، شیخ العالم تقریبات کے سلسلہ میں، اُردو اور کشمیری میں سمینار، منشی پریم چند صد سالہ برسی کے دوران سمینار، فیض احمد فیضؔ پر سمینار، منٹو سمینار، کرشن چندر سمینار وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اکیڈیمی کی طرف سے ہر سال یوم جمہوریہ کے موقع پر آل انڈیا اردو مشاعرہ منعقد کیا جاتا ہے جس میں نہ صرف ریاست بلکہ ملک کے دوسرے حصوں سے اردو شعرا مدعو کئے جاتے ہیں۔ ''بزم شیرازہ'' نام کی ادبی محفل میں اُبھرتے ہوئے ادیبوں اور نوخیز شاعروں کو مدعو کیا جاتا ہے اور اُن کی تخلیقات پر بحث و مباحثہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس طرح نہ صرف اُن کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے بلکہ ان کو فنی و علمی تربیت پانے کا موقع بھی مہیا ہوتا ہے۔

بہرحال یہ ایسا تفصیل طلب موضوع ہے جس پر ایک مستند کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

۱؎ : شیرازہ جلد ۳۷، شمارہ ۶-۸، کشمیر میں خطاطی کا احیائے نو، ص ۲۹۵

۲؎ : شیرازہ جلد ۳۷، شمارہ ۶-۸، ص ۳۱۵